TAMSAAL
ISSN Print: 3007-5939
ISSN Online: 3007-5947
Volume 4, Number 10, 2026, Pages 81 – 105
Journal Home Page
https://tamsaal.pk/index.php/tamsaal/index

Urdu Literature before the Digital Age: Tradition and Development

Dr. Ayaz Ali[1], Dr. Perwaiz Ahamed[2], Dr. Shafqat Ara[3]

[1]Shaheed Benazir Bhutto Uni Shaheed Benazir Abad
[2]Govt Degree College Kindayro, Emai: perwaiz333@gmail.com
[3]Education Officer, Email: arainshafqat75@gmai.com

ARTICLE INFO

Article History:

Received:	*August*	*14, 2026*
Revised:	*September*	*19, 2026*
Accepted:	*September*	*30, 2026*
Available Online:	*October*	*05, 2026*

Keywords:

Urdu Literature, Digital Age, Literary Tradition, Manuscript Culture, Print Culture, Literary Institutions, Traditional Media, Literary Genres, Urdu Language, Literary Development.

Corresponding Authors:
Dr. Ayaz Ali
Email:
ayazali@sbbusba.edu.pk

DOI: *https://doi.org/10.59075/tamsaal.v4i10.210*

OPEN ACCESS

ABSTRACT

Urdu language and literature have played an important role in the cultural, social, and intellectual history of the Indian subcontinent. This research aims to examine the development of Urdu literature before the digital age, with particular attention to its literary traditions, methods of preservation, means of communication, and major stages of development. The study explores how Urdu literature developed and maintained its identity in a period when digital technology, social media, and online resources were not available. It covers the early development of Urdu, the growth of Decani literature, the literary centers of Delhi and Lucknow, and the development of Urdu literature in the modern period. The research follows a qualitative and descriptive-analytical approach. It examines the role of manuscripts, printing, literary journals, newspapers, radio, literary institutions, libraries, reading rooms, literary gatherings, and other traditional means of communication in the preservation and spread of Urdu literature. It also considers the development of major literary genres, including ghazal, poetry, novel, short story, essay, satire and humor, and autobiography. The contributions of prominent writers and poets are discussed in relation to the changing social, cultural, and intellectual conditions of their time. The analysis shows that the growth of Urdu literature before the digital age was not the result of literary creativity alone. It was supported by a wider literary and cultural system in which writers, readers, publishers, literary institutions, and traditional forms of communication played interconnected roles. Despite limited resources, slow means of communication, financial difficulties, political pressures, and censorship at different stages, Urdu literature continued to develop and reach new readers. The transition from manuscript culture to print culture was particularly important, as printing made literary works more accessible and helped create a wider reading public. Similarly, newspapers, journals, literary gatherings, and radio expanded the reach of Urdu literature and provided new opportunities for literary expression and discussion. The study concludes that the pre-digital period laid a strong foundation for the preservation, development, and wider circulation of Urdu literature. Manuscripts, print culture, literary institutions, literary gatherings, and traditional media created a valuable literary heritage that remains relevant in the digital age. Understanding this historical process is essential not only for appreciating the development of Urdu literature but also for understanding its present challenges and possibilities. The study therefore suggests that the traditional literary heritage of Urdu should be preserved and effectively connected with modern digital resources so that it can continue to reach new generations.

© 2026 The Authors, Published by ULLR. This is an Open Access Article under the Creative Common Attribution (CC-BY 4.0)

ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب :روایت اور ارتقا

اردو زبان و ادب برصغیر کی تہذیبی، ثقافتی اور فکری تاریخ کا ایک اہم اور وقیع حصہ ہے۔ اس مقالے میں **ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کے ارتقائی سفر، ادبی روایت، فروغ اور ذرائعِ ابلاغ** کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ تحقیق میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور جدید آن لائن ذرائع کی عدم موجودگی میں اردو زبان و ادب نے کس طرح اپنی تخلیقی، فکری اور تہذیبی شناخت کو برقرار رکھا اور مختلف ادوار میں ترقی کی۔ اردو کے ابتدائی ارتقائی مراحل سے لے کر دکنی ادب، دہلی و لکھنؤ کے ادبی مراکز اور جدید دور تک اس کے فروغ میں ادیبوں، شاعروں، ادبی اداروں، مشاعروں، مطالعہ گاہوں، کتب خانوں اور دیگر ادبی سرگرمیوں کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔

مقالے میں قلمی نسخوں اور مخطوطات سے لے کر طباعت کے آغاز اور پھر رسائل و جرائد، اخبارات اور ریڈیو جیسے روایتی ذرائعِ ابلاغ تک اردو ادب کی ترسیل اور اشاعت کے مختلف مراحل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ غزل، نظم، ناول، افسانہ، مضمون، طنز و مزاح، خود نوشت اور دیگر اصنافِ ادب کی ترقی اور ان میں نمایاں ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ تحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ محدود وسائل، سست ذرائعِ ابلاغ، معاشی مشکلات، سیاسی دباؤ اور بعض اوقات سنسر شپ کے باوجود اردو ادب نے نہ صرف اپنا تشخص برقرار رکھا بلکہ نئے فکری اور فنی رجحانات کو قبول کرتے ہوئے مسلسل ارتقا کیا۔ مقالے کے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کی ترقی محض ادبی تخلیقات تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کے پسِ پشت ایک مضبوط ادبی، تہذیبی اور ابلاغی نظام کارفرما تھا۔ قلمی روایت، طباعت کے انقلاب، ادبی محافل، رسائل و جرائد اور ریڈیو نے اردو ادب کو وسیع تر قارئین تک پہنچانے اور اس کی فکری روایت کو مستحکم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہی روایتی ادبی سرمایہ آج ڈیجیٹل عہد میں اردو ادب کے تحفظ، فروغ اور نئی نسل تک منتقلی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کا مطالعہ نہ صرف ماضی کی ادبی تاریخ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ موجودہ اور مستقبل کے ادبی منظر نامے کی تشکیل اور اردو کے تحفظ کے لیے بھی اہم رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: اردو ادب، ڈیجیٹل دور، ادبی روایت، طباعت، قلمی روایت، رسائل و جرائد، ذرائعِ ابلاغ، ادبی اصناف، اردو زبان، ادبی ارتقا۔

اردو زبان و ادب برصغیر کی تہذیبی، ثقافتی اور فکری تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ یہ زبان عربی، فارسی، ترکی اور مقامی بولیوں کے باہمی امتزاج سے وجود میں آئی اور وقت کے ساتھ ایک ایسی ہمہ گیر زبان بن گئی جو انسانی جذبات، سماجی مسائل اور فکری رجحانات کی مؤثر ترجمانی کرتی ہے۔ مختلف ادوار کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے عہد کے حالات کو تخلیقات میں سمو کر اردو ادب کو زندہ اور متحرک رکھا۔اس مقالے میں" ڈیجیٹل دور سے پہلے "سے مراد تقریباً1800 ء سے1990 ء تک کا زمانہ ہے، جب ادب کی تخلیق، اشاعت اور ترسیل روایتی ذرائع کے ذریعے ہوتی تھی۔ کتابیں، رسائل، مشاعرے، ادبی نشستیں اور کتب خانے ادبی سرگرمیوں کے بنیادی مراکز تھے۔ اس دور میں تحریر کی خاص اہمیت تھی اور ادبی تخلیقات طویل محنت اور فکری ریاضت کا نتیجہ سمجھی جاتی تھیں۔اسی عرصے میں اردو ادب کی مختلف اصناف نے نمایاں ترقی کی۔ غزل، نظم، ناول اور افسانہ فنی و فکری اعتبار سے ارتقا پذیر ہوئے اور میر، غالب، اقبال، فیض، پریم چند، منٹو، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر جیسے ادیبوں نے اردو ادب کو نئی جہتیں عطا کیں۔ ترقی پسند تحریک اور جدیدیت نے بھی ادب میں نئے موضوعات اور رجحانات متعارف کرائے۔اردو زبان کا آغاز برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے بعد مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے باہمی رابطے سے ہوا۔ ہندوی، دہلوی اور ریختہ کی صورت میں پروان چڑھنے والی یہ زبان بتدریج اردو کہلائی اور ایک بھرپور ادبی روایت کی حامل بن گئی۔ ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کا سفر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محدود وسائل کے باوجود ادبی روایت مسلسل ترقی کرتی رہی اور ایک قیمتی تہذیبی ورثے کی صورت اختیار کر گئی۔ابتدا میں یہ زبان روزمرہ گفتگو اور فوجی و انتظامی ضروریات تک محدود رہی، مگر رفتہ رفتہ اس نے ادبی اظہار کی صورت اختیار کرنی شروع کر دی۔ سلیم اختر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "اکبری عہد حکومت میں بھی لفظ اردو لشکر اور اس کے متعلقات کے لیے استعمال ہوتا رہا چنانچہ شیرانی نے اردوئے علیا ، اردو معلی ' ، اردوئے لشکر ، اردوئے حضرت ، اردوئے ظفر ترین جیسے الفاظ گنوائے ہیں ۔ان مرعوب کن ناموں کا بابر کے سیدھے سادھے لشکر سے موازنہ نفسیاتی دلچسپی سے خالی نہیں ۔ ۔۔۔نصف

صدی کے بعد وہ ایک ایسی معیاری زبان کی صورت اختیار کر گئی کہ جس میں اب تخلیقی قوت بھی تھی ۔"(۱)

ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو کا سب سے پہلا بڑا ادبی مرکز دکن تھا جہاں چودھویں سے سترہویں صدی کے دوران بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں نے اردو کو سرپرستی بخشی۔ اسی دور کی اردو کو" دکنی اردو "کا نام دیا گیا۔ ملا وجہی کی" سب رس "اردو نثر کی پہلی بڑی مثال قرار پاتی ہے، جبکہ محمد قلی قطب شاہ، غواصی اور نصرتی نے اردو شاعری کو ابتدائی فنی بنیادیں فراہم کیں۔ سترہویں صدی کے بعد اردو کا مرکز شمالی ہند اور دہلی کی جانب منتقل ہوا جہاں مغلیہ سلطنت کے زیرِ اثر اس نے کلاسیکی شکل اختیار کی اور فارسی اسلوب کو اپنے اندر جذب کیا۔ اٹھارہویں صدی میں میر تقی میر، خواجہ میر درد اور سودا نے اردو غزل کو جذباتی گہرائی بخشی۔ میر کو" خدائے سخن "کا لقب دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی شاعری انسانی دکھ اور معاشرتی زوال کی سادہ مگر عمیق تصویر پیش کرتی ہے، جبکہ مرزا غالب نے اردو غزل کو فکری وسعت اور فلسفیانہ رنگ عطا کر کے اسے بالکل نئی جہت دی۔ اس بارے میں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کا قول ملاحظہ ہو:

"شاعری تو ایک داخلی چیز ہے لیکن مشاعروں نے اسے علم مجلس بنا دیا اور اس میں خارجی خصوصیتیں زیادہ ہوتی گئیں ۔ ہنگامے ، تفریح ، سقف شکن نعرے ، شعرا کا مقصود ہوتے گئے ۔ مشاعروں کے رواج کی بدولت رفتہ رفتہ دہلی اور دونوں جگہ شکوہ الفاظ ، چستی بندش ، محاورہ ، روزمرہ اور قادرالکلامی کے زعم کے ساتھ ساتھ سنگلاخ زمینوں کا رواج ہوگیا ۔"(۲)

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں لکھنؤ بھی دہلی کے ساتھ اردو ادب کا اہم مرکز بن کر ابھرا۔" لکھنؤ دبستان "میں ناسخ اور آتش نے زبان کی نفاست اور بیان کی خوبصورتی پر توجہ مرکوز کی۔ اگر دہلی نے اردو کو فکری گہرائی بخشی تو لکھنؤ نے اسے تہذیبی جمال عطا کیا۔ انیسویں صدی اردو کے لیے ایک انقلابی موڑ ثابت ہوئی۔ برطانوی استعمار کے دوران سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کو اصلاحی اور سائنسی رنگ دیا۔ ان کا رسالہ "تہذیب الاخلاق "اردو نثر کی فکری ترقی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد نے" مراۃ العروس "اور" بنات النعش "جیسے ناولوں سے اردو ناول نگاری کی بنیاد رکھی، جبکہ" اودھ اخبار"،" الہلال "اور" زمیندار "جیسے اخبارات نے عوامی شعور بیدار کرنے اور ادبی رجحانات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ انور سدید اس دور کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"سر سید کے عہد میں چونکہ فکر و نظر کے نئے نئے زاویے تراشے جا رہے تھے اس لیے اس دور میں اردو نثر کو زیادہ ترقی ملی ۔ ناول ، سفر نامہ ، خطوط اور انشاء کے ایسے معیاری نمونے سامنے آئے جو مستقبل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے ۔ ۔۔۔ انیسویں صدی کے اختتام تک مایوسی ایک رومانی دھند میں تبدیل ہوگئی ۔ اب عظمتوں کی بازیافت کی گئی اور مستقبل کے بہبود کا خواب دیکھا گیا۔ قومی شاعری اور صحافت کے فروغ نے اس خواب کو تعبیر بر آمد کر نے میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ اردو ادب میں دورس تبدیلیاں آئیں ۔"(۳)

بیسویں صدی کے آغاز میں اردو ادب نے نئی فکری جہتیں اختیار کیں۔ علامہ اقبال نے شاعری میں خودی، قومیت اور اسلامی احیاء کے تصورات کو فروغ دیا، جبکہ پریم چند نے حقیقت نگاری کے ذریعے غربت، طبقاتی کشمکش اور سماجی مسائل کو ادب کا موضوع بنایا۔1936 ء میں شروع ہونے والی ترقی پسند تحریک نے ادب کو عوامی مسائل اور سماجی شعور سے جوڑا، جبکہ بعد میں جدیدیت نے علامتی اور فکری تجربات کو فروغ دیا۔ اس طرح اردو ادب نے مختلف سیاسی و سماجی ادوار کے اثرات قبول کرتے ہوئے ایک مضبوط اور متنوع روایت قائم کی۔

اردو ادب کی بنیاد قلمی روایت پر استوار ہے۔ چھاپہ خانے کی ایجاد سے پہلے علم و ادب مخطوطات کی صورت میں محفوظ کیا جاتا تھا، جو ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں ہوتی تھیں۔ اردو اور فارسی کے مخطوطات شاعری، نثر، تاریخ اور فلسفے کا قیمتی خزانہ ہیں۔ ان کی تیاری اور حفاظت میں بے شمار لوگوں کی محنت شامل

رہی، اسی لیے مخطوطات کی حفاظت دراصل ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت سمجھی جاتی ہے۔ پرانے مخطوطات آج بھی ماضی کی علمی اور ادبی روایات کے زندہ گواہ ہیں۔ مولانا شبیر احمد خاں غوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

"خط یا تحریر و کتابت افکار و تصورات کو حروف یا دیگر قسم کی اشکال کے ذریعے مادی اشیا پر منقوش کر کے محفوظ و قلمبند کرنے کا نام ہے ۔)"۴(

خطاطی مسلم تہذیب میں سب سے مقدس فن سمجھی جاتی تھی کیونکہ قرآن کریم کی کتابت کے لیے ماہر ترین ہاتھ درکار ہوتے تھے۔ نسخ، نستعلیق، شکستہ، دیوانی اور ثلث و رقعہ خطاطی کے مختلف انداز رہے ہیں، تاہم اردو کا نستعلیق کے ساتھ رشتہ سب سے گہرا ہے جو چودھویں صدی میں ایران سے ہندوستان پہنچا۔ نستعلیق سیکھنا سالوں کی محنت کا کام تھا: شاگرد پہلے قلم تراشنا اور سیاہی گھسنا سیکھتا، پھر حرف حرف کی مشق کرتا اور بتدریج حروف کے تناسب اور سطروں کی ترتیب سے آشنا ہوتا۔ مغل دور میں مخطوطات کی تیاری ایک باقاعدہ صنعت کی صورت اختیار کر گئی جہاں کاتب، مصور اور مجلد مل کر کام کرتے تھے۔ کاتب متن لکھتا، مصور تصویریں بناتا اور مجلد چمڑے کی نقش و نگار سے مزین جلد چڑھاتا، یوں یہ مخطوطات محض کتابیں نہیں بلکہ فن کے حقیقی شاہکار بن جاتے تھے۔ ڈاکٹر انجم رحمانی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

"مخطوطہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ خط ہے لغوی طور پر اس سے مراد کسی بھی مادی شے پر ہاتھ سے لکھا ہوا تحریری نمونہ ہے ۔ اس نمونے کی یہ تحریر نقل بھی ہوسکتی ہے اور طبع زاد بھی ، طویل بھی ہوسکتی ہے اور مختصر بھی ، مفید بھی ہوسکتی ہے اور غیر مفید بھی ۔ مادی اشیاء ، ہڈی ، جھلی ، کھال ، جھال ، پتے ، کاغذ ، حریر ، کپڑا ، دھات ، لکڑی ، پتھر ، کانچ ، مٹی وغیرہ غرض کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے ۔ اس صورت میں تحریری نمونے کا تعلق دیدہ زیب یا بدنما ہونے سے بھی نہیں ۔خصوصی مفہوم میں مخطوطہ کی اصطلاح قلمی کتابوں کے لئے استعمال ہوتی ہے اور اس کا اطلاق بیک وقت معمولی اور شاہکار دونوں قسم کے مخطوطات پر ہوتا ہے ۔)"۵(

اکبر کے کتب خانے میں چوبیس ہزار سے زائد مخطوطات موجود تھے اور شاہجہاں کے دور تک مغل کتب خانہ دنیا کے عظیم ترین کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اردو کے قدیم ترین مخطوطات دکنی اردو میں ملتے ہیں جن میں قلی قطب شاہ کا دیوان اور ولی دکنی کا کلام شامل ہیں۔ دہلی میں خزانہ المعموری لاکھوں مخطوطات کا مرکز تھا جسے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ لکھنؤ میں نوابانِ اودھ نے مخطوطات کو سرپرستی دی مگر ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کے قبضے سے یہ روایت بکھر گئی۔ حیدرآباد میں آصفیہ لائبریری اور سالار جنگ میوزیم آج بھی لاکھوں نادر مخطوطات کے امین ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ جو مخطوطات بچ گئے وہ اصل خزانے کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ بے شمار قیمتی مخطوطات آج بھی برٹش لائبریری، بودلیئن اور پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہیں، یعنی یہ ادبی ورثہ آج بھی ہم سے دور ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں طباعت کی آمد ایک ایسا انقلاب تھی جس نے نہ صرف کتابوں کی ہیئت بدلی بلکہ پورے سماج کی سوچ، رویے اور ادبی ذوق کو بھی یکسر تبدیل کر دیا۔ صدیوں تک اردو ادب قلم کی نوک پر زندہ رہا، مخطوطات کی صورت میں محدود ہاتھوں سے گزرتا رہا، دربارات اور خانقاہوں کی چہاردیواری میں محصور رہا۔ پھر جب پریس آیا تو اس نے ان تمام دیواروں کو گرا دیا اور وہ ادب جو کبھی خاص طبقے کا حق سمجھا جاتا تھا، اچانک ہر گھر، ہر دکان اور ہر گلی کوچے تک پہنچنے لگا۔ سید محمد مسلم اس بارے میں لکھتے ہیں:

"۱۸۰۰ء میں مسٹر ولیم کیری صاحب نے سرام پور میں ایک پریس قائم کیا ۔اسی پریس نے کلکتہ کے جیپسٹ مشن کی شکل اختیار کر لی جو آج بھی موجود ہے ۔)" ۶(

1800ء میں فورٹ ولیم کالج کے قیام سے اردو طباعت کو فروغ ملا اور میر امن کی *باغ و بہار* جیسی اہم تصانیف شائع ہوئیں۔ بعد ازاں منشی نول کشور پریس نے اردو کتابوں کو عام قارئین تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو صحافت کا آغاز *جامِ جہاں نما* سے ہوا، جبکہ *تہذیب الاخلاق*، *اودھ پنچ*،

مخزن، *الہلال* اور *ہمدرد* جیسے رسائل و اخبارات نے ادبی، سماجی اور سیاسی شعور کو فروغ دیا۔ ترقی پسند تحریک اور تقسیمِ ہند کے بعد بھی مختلف ادبی رسائل نے اردو ادب کی ترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس طرح طباعت اور صحافت نے اردو ادب کو عوامی سطح پر مقبول بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اردو ادب مختلف اصناف کا ایک وسیع اور رنگا رنگ مجموعہ ہے، جس میں غزل، نظم، مرثیہ، ناول اور افسانہ نمایاں ہیں۔ ان تمام اصناف نے مل کر اردو ادب کو فکری وسعت اور ادبی عظمت عطا کی۔ غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے، جو ابتدا میں محبوب کے ذکر تک محدود تھی، مگر وقت کے ساتھ انسانی جذبات، فلسفے، سماجی مسائل اور زندگی کے مختلف تجربات کی بھرپور ترجمان بن گئی۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر شعر اپنے اندر مکمل معنی اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ دو مصرعوں میں وہ بات کہہ دی جاتی ہے جو کبھی پوری کتابیں بھی نہیں کہہ پاتیں۔ جان نثار مومن اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> "غزل ارد و ، فارسی یا عربی کی ایک صنف سخن ہے جس کے پہلے دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں ۔ غزل کے لیے پہلے ریختہ کا لفظ استعمال میں تھا ۔ ادب کے دیگر اصناف ادب اور فنون لطیفہ میں سب سے زیادہ غزل کو پسند کیا جاتا ہے ۔ کیوں کہ غزل اسٹیج کے علاوہ سخن کا بہترین ذریعہ اظہار بھی ہے ۔ کم لفظوں میں مکمل بات کرنے کا ہنر ہے۔ غزل کا سانچا چھوٹا ہوتا ہے اس لیے جذبے یا خیالات کو پھیلانے کی گنجائش محدود ہوتی ہے ۔)"۷(

اردو غزل کے ابتدائی اور سب سے اہم شاعر میر تقی میر ہیں، جنھیں" خدائے سخن "کہا جاتا ہے۔ زندگی کی مشکلات، تنگدستی اور زمانے کی تباہ کاریوں نے ان کی شاعری کو گہرا درد اور اثر عطا کیا۔ ان کی سادہ مگر پُرمعنی زبان نے اردو غزل کو نئی وسعت دی اور انہیں اس صنف کا سب سے نمایاں شاعر بنا دیا۔میر کے ہم عصر مرزا محمد رفیع سودا قصیدے، طنز اور ہجو کے بے مثال شاعر تھے۔ ان کی بلند آہنگ زبان اور تیز و تند طنز نے اردو شاعری کو نئی جہت بخشی۔ میر اور سودا کی ادبی رقابت نے اردو شاعری کے معیار کو مزید بلند کیا۔بعد ازاں مرزا اسداللہ خاں غالب نے اردو غزل میں فلسفہ، فکر اور جدت پیدا کی۔ ان کی شاعری گہرے معانی اور فکری پیچیدگی کے باعث منفرد مقام رکھتی ہے۔ غالب کے خطوط بھی اردو نثر کا شاہکار سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے نثر کو سادہ، بے تکلف اور عام فہم انداز عطا کیا۔ میر، سودا اور غالب اردو غزل کی روایت کے وہ ستون ہیں جنھوں نے اس صنف کو دوام بخشا۔ جان نثار مومن ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "غالب ایک ذہین دقاق فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب دیوان فکر شخص تھے ۔ ان کی شاعری میں عشق و محبت کے مشاہدات و احساسات اور حقائق حیات سے گہری بصیرت ملتی ہے ۔ ان کی غزل گوئی میں جذبے کی حرارت سے جان پیدا ہوجاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جذات کی گہرائی ، مشاہدات کی تازگی اور انفرادیت ہر جگہ ملتی ہے۔یہی ان کی غزل گوئی میں بھی اثرات نمایاں طور پر ملتے ہیں ۔)"۸(

غالب کے ہم عصروں میں مومن کی رومانوی نزاکت اور ذوق کی زبان کی صفائی نمایاں مقام رکھتی ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے رنگون کی جلاوطنی میں جو درد بھرے اشعار کہے وہ اردو شاعری کا ایک لازوال المیہ ہیں۔ داغ دہلوی نے دہلی کی ٹکسالی زبان اور لکھنؤ کی نزاکت کو یکجا کر کے غزل کی روایت کو آگے بڑھایا، اور ان کے شاگردوں میں خود اقبال بھی شامل تھے۔ علامہ اقبال نے غزل اور نظم دونوں کو نئی بلندی بخشی؛ تصورِ خودی ان کی شاعری کا مرکزی نکتہ ہے، اور" شکوہ "و" جوابِ شکوہ "سمیت بالِ جبریل، بانگِ درا اور ضربِ کلیم جیسے مجموعوں نے ثابت کیا کہ شاعری قوموں کی تقدیر بدلنے کی طاقت بھی رکھتی ہے۔ فیض احمد فیض نے روایتی غزل کی علامتوں کو سیاسی اور سماجی معنی عطا کیے؛ ظلم کے خلاف اور غریبوں کے حق میں ان کی آواز محض نعرہ نہیں بلکہ خالص ادب بن گئی۔ ناصر کاظمی جدید غزل گو شاعر کی حیثیت سے اردو غزل کی بدلتی ہیئت کے ساتھ اپنے کلام کی معنویت بھی بدلتے رہے؛ نجی زندگی کی بے روزگاری اور مفلسی کے علاوہ تقسیمِ ہند کے ہولناک مناظر نے ان کی غزل کو ایک نئی اور گہری معنویت بخشی، جس میں تقسیم کا درد اور ایک بے گھر روح کی اداسی صاف محسوس ہوتی ہے۔

احمد فراز کی غزل میں رومانویت اور سیاسی شعور کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے جو مشاعروں میں سامعین کو بے اختیار داد دینے پر مجبور کرتا رہا۔ اردو نظم کی باقاعدہ روایت حالی سے شروع ہوتی ہے جنھوں نے" مقدمہ شعر و شاعری "کے ذریعے اردو تنقید کی بنیاد رکھی۔ ان کی" مسدسِ حالی "اردو کی عظیم نظموں میں شمار ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ن م راشد نے آزاد نظم متعارف کروا کے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی، جبکہ میراجی نے نفسیاتی اور علامتی شاعری کی روایت قائم کی۔

مرثیہ خالصتاً ہندوستانی مسلم تہذیب کی دین ہے جو واقعہ کربلا کی یاد میں لکھا جاتا ہے۔ اس صنف کو میر انیس اور مرزا دبیر نے جس بلندی تک پہنچایا وہ بے مثال ہے۔ میر انیس کے مرثیوں میں جنگ کے زندہ مناظر، زبان کی خوبصورتی اور جذبات کی شدت مل کر ایسا اثر پیدا کرتے ہیں کہ قاری خود کو میدانِ کربلا میں کھڑا محسوس کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "انیس نے عوام الناس کے مد نظر بلاغت کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ لفظیات پر زور دیا اورا پنے کلام میں عوامی ڈکشن کو زیادہ سے زیادہ برتنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ایک اچھوتے نہج کو رواج ملا جو مروجہ شاعری کی لفظی ساخت سے بالکل جد اتھی ، عوامی زبان و بیان کے امتزاج نے ان کے کلام کو اس طرح مزین کیا کہ ہر خاص عام اس سے محظوظ ہونے لگا ۔ ۔۔ان کے مراثی میں جزئیات کو اتنی چابکدستی سے برتا گیا ہے کہ منظر خود بخود سامنے ابھر آتا ہے ۔)"۹(

مغل دور میں سودا کے قصیدے بہت مقبول تھے، مگر دربار کے خاتمے کے بعد یہ صنف رفتہ رفتہ کمزور پڑ گئی۔

اردو ناول کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد کے" مراۃ العروس "سے ہوا جس میں تعلیمِ نسواں کا پیغام دیا گیا۔ مرزا ہادی رسوا کی" امراؤ جان ادا "نے لکھنؤ کی آخری تہذیب کو زندہ کر دیا۔ قرۃ العین حیدر کا" آگ کا دریا "اردو کا سب سے بڑا ناول تصور کیا جاتا ہے جس میں دو ہزار برس کی ہندوستانی تاریخ کو سمویا گیا ہے، جبکہ عبداللہ حسین کی" اداس نسلیں "اور انتظار حسین کی" بستی "نے تقسیم کے المیے کو ناول کی صورت میں ڈھالا۔ اردو افسانے میں پریم چند نے کسانوں اور غریبوں کی زندگی کو موضوع بنایا؛" کفن "اور" پوس کی رات "ان کے لازوال افسانے ہیں جن میں کوئی ہیرو یا ولن نہیں بلکہ صرف اپنی مجبوریوں میں گھرے ہوئے عام انسان ہیں۔ منٹو نے تقسیم کے مظالم اور انسانی نفسیات کی گہری تہوں کو بے باکی سے بیان کیا؛" ٹوبہ ٹیک سنگھ "اور" کھول دو "اردو کے لازوال افسانوں میں شمار ہوتے ہیں، اور فحاشی کے مقدموں اور جیل کی دھمکیوں کے باوجود انہوں نے کبھی قلم نہیں چھوڑا۔ شاہد اقبال اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "کوئی بھی ادیب یا فن کار اس وقت مقبول و مشہور اور زندہ جاوید ہوتا ہے جب وہ اپنے معاصرین سے الگ ہٹ کر کچھ نئی تخلیق پیش کرتا ہے ۔شاید اس بات کو منٹو نے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا کہ راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی اور کرشن چندر سے الگ اردو فکشن کی دنیا میں منفرد مقام حاصل کرنا ہے تو کچھ نیا کرنا ہوگا یہی وجہ ہے کہ منٹو نے اپنے لیے الگ موضوع کا انتخاب کیا ۔ اس وقت عصمت چغتائی کے علاوہ کسی نے کھل کر جنسی مسائل پر افسانے نہیں لکھے تھے ۔یہی وجہ ہے کہ عزیز احمد نے منٹو کی فحش نگاری پر سخت تنقید کی لیکن اس کا کیا کیجیے کہ وہ خود اپنے ناولوں میں فحش نگاری کے جرم کے مرتکب نظر آتے ہیں ۔۔۔۔منٹو کی شناخت ایک ایسے افسانہ نگار کے طور پر کی گئی ہے جس سے جنس کو اپنا موضوع خاص بنایا اور اس طرح سے لکھا کہ کئی افسانوں پر مقدمے بھی چلے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمہ جائز بھی تھا اس وقت سماج شاید اس طرح کے افسانے پڑھنے کے متحمل نہ تھا۔)"۱۰(

عصمت چغتائی ۱۹۱۵ء میں بدایوں میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۹۱ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اردو افسانے میں عورت کی آواز کو وہ بلندی عطا کی جو پہلے کبھی حاصل نہ تھی۔" لحاف "ان کا سب سے مشہور اور سب سے متنازع افسانہ ہے جس کی بنا پر انہیں عدالت تک جانا پڑا۔" ٹیڑھی لکیر "ان کا سوانحی

ناول ہے جس میں ایک لڑکی کی آپ بیتی کے ذریعے مسلم متوسط طبقے کی زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عصمت چغتائی نے یہ ثابت کیا کہ عورت بھی وہ سب کچھ لکھ سکتی ہے جو پہلے صرف مردوں کے لیے مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ راجندر سنگھ بیدی ۱۹۱۵ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں وفات پائی۔ ان کے افسانوں میں ایک دھیمی آنچ اور خاموش درد ہے جو قاری کو رفتہ رفتہ اپنی گرفت میں لے لیتا ہے؛" اپنے دکھ مجھے دے دو "اور" لاجونتی "ان کے یادگار افسانے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانوں میں جذبے کی شدت اور زبان کی خوبصورتی جھلکتی ہے، جبکہ احمد ندیم قاسمی نے پنجاب کی دیہاتی زندگی کو اردو افسانے میں بیان کر کے اسے ایک نئی شناخت بخشی۔

خودنوشت اور سوانح عمری بھی اردو ادب کی ایک اہم صنف رہی ہے۔ غالب کے خطوط اردو کی پہلی بڑی شخصی نثر شمار ہوتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کی" غبارِ خاطر"، جو انہوں نے قلعہ احمد نگر میں نظر بندی کے دوران قلمبند کی، اردو نثر کا ایک شاہکار ہے جس میں خطوط کی صورت میں فلسفہ، سیاست، ادب اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا ذکر یکجا ملتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کی خودنوشت" یادوں کی برات "بھی اردو کی بہترین سوانح عمریوں میں شمار ہوتی ہے جس میں انہوں نے اپنی پرجوش زندگی کو بڑی بے باکی اور خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ انشائیہ اور مضمون نگاری نے بھی اسی دور میں خوب فروغ پایا۔ سرسید احمد خاں کے مضامین نے اردو نثر کو سادگی کا سبق سکھایا، مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر میں ایک شاہانہ آن بان نظر آتی ہے جہاں الفاظ کی دولت خرچ کرنے میں کوئی بخل نہیں برتا گیا، جبکہ پطرس بخاری کے مضامین اردو طنز و مزاح کا نقطۂ عروج تصور کیے جاتے ہیں۔" مضامینِ پطرس "میں جو خودکلامی، جو بے تکلفانہ انداز اور جو باریک طنز موجود ہے وہ اردو نثر میں بے مثال ہے۔ ابراہیم جلیس، کنہیا لال کپور اور شفیق عقیل نے بھی اردو طنز و مزاح کی اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اشفاق احمد ۱۹۲۵ء میں فیروز پور میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰۴ء میں لاہور میں وفات پائی۔ انہوں نے افسانے، ناول، ڈرامے اور سفرنامے لکھے اور پاکستانی اردو ادب میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ ان کی تحریروں میں ایک روحانی گہرائی، ایک سادہ دل انسان کی حکمت اور پنجاب کی مٹی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ بانو قدسیہ ان کی زندگی کی شریکِ کار اور ادبی میدان میں ان کی ہم قدم رہیں۔" راجہ گدھ "ان کا وہ ناول ہے جو اردو ادب کا اہم حصہ بن چکا ہے اور جس میں حلال و حرام کی فلسفیانہ بحث کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اردو ڈرامے کی روایت بھی اسی دور میں پروان چڑھی۔ آغا حشر کاشمیری کے علاوہ امتیاز علی تاج نے" انارکلی "جیسے ڈرامے سے اردو اسٹیج کو ایک نئی وقعت بخشی، جبکہ بعد کے عہد میں رفیع پیر اور دیگر ڈرامہ نگاروں نے پنجاب کے اسٹیج اور لوک تھیٹر کو اردو اور پنجابی کے امتزاج سے مالا مال کیا۔ اسی طرح یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اردو ادب کبھی کسی ایک خطے تک محدود نہیں رہا؛ دکن، دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ پنجاب، سندھ اور بنگال کے اردو گو ادیبوں نے بھی اپنی اپنی علاقائی رنگا رنگی کے ساتھ اس زبان کو مالامال کیا۔ سندھ میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کی صوفیانہ فکر اور مقامی زبان کی وارداتیں بالواسطہ طور پر اردو کے تصوفانہ اسلوب کو بھی متاثر کرتی رہیں، اور یوں اردو ادب مختلف علاقائی روایتوں کے امتزاج سے ایک وسیع تر تہذیبی اظہار بنتا چلا گیا۔ بچوں کا ادب بھی اسی دور کی ایک اہم مگر اکثر نظرانداز کی جانے والی صنف رہا؛ اسماعیل میرٹھی کی نظمیں اور بعد میں مختلف رسائل میں شائع ہونے والی بچوں کی کہانیوں نے نئی نسل میں اردو زبان سے وابستگی پیدا کرنے میں کردار ادا کیا۔

مختصراً یہ کہ ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب نے جو سفر طے کیا وہ اپنی نوعیت میں بے مثال ہے۔ غزل کی نزاکت سے لے کر ناول کی وسعت تک اور مرثیے کے درد سے لے کر طنز و مزاح کی شگفتگی تک، ہر صنف میں ایسے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے اردو ادب کو دنیا کی عظیم ادبی روایات میں ایک باوقار مقام دلایا۔ یہ لوگ قلم اور کاغذ کے ساتھ برسرِ پیکار رہے، سماج سے نبرد آزما رہے، حکومتوں کے دباؤ کا سامنا کرتے رہے اور اپنی تنگدستی کے باوجود لکھتے رہے، کیونکہ لکھنا ان کے لیے کوئی مجبوری نہیں بلکہ ان کی روح کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کی ترویج، اشاعت اور فروغ میں روایتی ذرائع ابلاغ نے بنیادی اور نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں ابلاغ کے ذرائع محدود ہونے کے باوجود ان میں فکری گہرائی، تہذیبی وابستگی اور ادبی وقار نمایاں طور پر موجود تھا۔ نہ انٹرنیٹ تھا، نہ سوشل میڈیا، نہ آن لائن پلیٹ فارم اور نہ ہی فوری ابلاغ کی جدید سہولیات، اس کے باوجود اردو ادب نہ صرف زندہ رہا بلکہ مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی روایتی ذرائعِ ابلاغ تھے جنہوں نے اردو زبان و ادب کو عوام تک پہنچانے، ادبی شعور بیدار کرنے اور فکری روایت کو آگے بڑھانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

روایتی ذرائعِ ابلاغ میں سب سے نمایاں مقام مشاعروں کو حاصل تھا۔ مشاعرہ برصغیر کی ایک قدیم اور تہذیبی ادبی روایت ہے جس نے اردو شاعری کی مقبولیت اور ترویج میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ محض شعری نشستیں نہیں بلکہ علمی، فکری اور تہذیبی اجتماعات کی حیثیت رکھتے تھے جہاں شاعر اپنے کلام کے ذریعے نہ صرف اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کرتے بلکہ معاشرتی حالات، انسانی مسائل، سیاسی تبدیلیوں اور تہذیبی اقدار کو بھی سامنے لاتے۔ مشاعروں میں سامعین کی براہِ راست شرکت سے ادب اور عوام کے درمیان ایک مضبوط تعلق قائم ہوتا؛ شعرا اشعار سناتے، داد وصول کرتے، تنقید سنتے اور اسی عمل کے ذریعے ان کے فن میں نکھار پیدا ہوتا۔ میر، غالب، ذوق، مومن، اقبال اور بعد کے شعرا کے کلام کو عوامی مقبولیت دلانے میں مشاعروں کا کردار نہایت اہم رہا۔

اسی طرح داستان گوئی بھی اردو ادب کے روایتی ذرائعِ ابلاغ میں ایک اہم مقام رکھتی تھی۔ اس دور میں داستان گو حضرات عوامی محفلوں، بازاروں، درباروں اور ادبی نشستوں میں داستانیں سنایا کرتے تھے۔" داستانِ امیر حمزہ "اور" طلسمِ ہوشربا "جیسی داستانیں محض تفریح کا ذریعہ نہ تھیں بلکہ ان میں اخلاقی، تہذیبی اور تخیلاتی عناصر بھی موجود ہوتے۔ داستان گوئی نے اردو زبان کی لفظی وسعت، بیانیہ قوت اور تخلیقی اظہار کو فروغ دیا، اور اسی روایت نے اردو نثر کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔کتب خانے بھی روایتی ذرائعِ ابلاغ کا ایک مضبوط ستون سمجھے جاتے تھے۔ اس دور میں علم و ادب تک رسائی کا سب سے معتبر ذریعہ کتب خانے ہی تھے، جہاں طلبہ، اساتذہ، ادبا اور عام قارئین ادب، تاریخ، فلسفہ اور دیگر علوم کا مطالعہ کرتے۔ یہ محض کتابوں کے ذخیرے نہیں بلکہ علمی و ادبی سرگرمیوں کے مراکز ہوتے تھے جہاں علمی مباحث چلتے، تحقیق کا رجحان فروغ پاتا اور ادب کے سنجیدہ مطالعے کی روایت قائم رہتی۔ اخبارات اور رسائل نے بھی اردو ادب کی ترویج میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو صحافت نے نہ صرف سیاسی و سماجی شعور بیدار کیا بلکہ ادبی رجحانات کو بھی فروغ دیا۔" الہلال"،" زمیندار"،" اودھ اخبار"،" ادبِ لطیف"،" ساقی"،" نقوش "اور دیگر ادبی جرائد نے اردو ادب کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان رسائل میں شاعری، افسانے، مضامین، تنقیدی مباحث اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے، جن کے ذریعے ادبی نظریات عوام تک پہنچتے۔ محمد سیف اللہ خان لکھتے ہیں:

> "سر سید نے مولانا حالی کو مسدس لکھنے کی ترغیب دی تھی اور اس کو مقبول عام کرنے کے لیے انہوں نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق میں یہ مسدس شائع کی اور ادب کا یہ شہ پارہ عوام تک پہنچایا ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار الہلال اور البلاغ ، بنارس کے اردو اخبار آوازہ اخلاق ، کانپور کے زمانہ ، حسرت موہانی کے رسالہ اردوئے معلیٰ اور امتیاز علی تاج کے کہکشاں اور مولانا ظفر علی خان کے اخبار زمیندار نے اردو شاعری کے فروغ کے ساتھ نثر کی ترقی اور ترویج میں جو اہم حصہ ادا کیا ۔ وہ اردو ادب کی تاریخ کے لیے قابل فخر ہے ۔)"۱۱(

ریڈیو بھی ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب کے فروغ کا ایک مؤثر ذریعہ رہا۔ خصوصاً بیسویں صدی میں ریڈیو پاکستان اور آل انڈیا ریڈیو نے اردو ڈرامے، شاعری، ادبی گفتگوؤں اور نثری پروگراموں کو عوام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریڈیو کے ذریعے وہ لوگ بھی ادب سے واقف ہوئے جنہیں پڑھنے لکھنے کی سہولت یا عادت میسر نہیں تھی۔ کنور محمد دلشاد لکھتے ہیں:

> "ریڈیو کے ضمن میں یہ خیال رہے کہ یہ واحد ذریعہ ابلاغ ہے جس میں ریڈیو سیٹ کے مالک کو مکمل انتخاب کی آزادی حاصل ہوتی ہے اور وہ کسی سنسر شپ یا کسی سے اجازت لیے بغیر اپنی پسند کا پروگرام سن سکتا ہے جبکہ دیگر ذرائع ابلاغ استعمال کرنے والوں کے درمیان دخل انداز ہوتا ہے۔)"۱۲(

ادبی انجمنیں اور علمی مجالس بھی روایتی ذرائعِ ابلاغ کا اہم حصہ تھیں۔ مختلف شہروں میں قائم انجمنیں ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم فراہم کرتی تھیں جہاں ادبی مباحث، تنقیدی نشستیں اور شعری محافل منعقد ہوتیں۔ انجمن ترقی اردو، حلقۂ اربابِ ذوق اور دیگر تنظیموں نے اردو زبان و ادب کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ خط و کتابت بھی ادبی ابلاغ کا ایک اہم ذریعہ تھی؛ ادیب اور شاعر خطوط کے ذریعے ایک دوسرے سے

رابطے میں رہتے، ادبی مسائل پر گفتگو کرتے اور اپنے خیالات کا تبادلہ کرتے۔ غالب کے خطوط اردو نثر کی بہترین مثال سمجھے جاتے ہیں جن میں ادبی رنگ کے ساتھ ساتھ اس دور کی معاشرتی و تہذیبی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں۔ اسٹیج ڈرامہ اور تھیٹر بھی اردو ادب کے اہم روایتی ذرائع میں شمار ہوتے تھے۔ آغا حشر کاشمیری اور دیگر ڈرامہ نگاروں نے اسٹیج کے ذریعے نہ صرف تفریح فراہم کی بلکہ معاشرتی مسائل، اخلاقی اقدار اور انسانی جذبات کو بھی اجاگر کیا۔ یہ تمام روایتی ذرائعِ ابلاغ دراصل اردو ادب کی بقا، ترویج اور ارتقا کے بنیادی ستون تھے۔ ان کے ذریعے ادب صرف کتابوں تک محدود نہیں رہا بلکہ عوامی زندگی، تہذیبی شعور اور سماجی رویوں کا حصہ بن گیا۔ اگرچہ اس دور میں ابلاغ کی رفتار آج کے مقابلے میں سست تھی، مگر اس میں گہرائی، فکری پختگی اور ادبی وقار کہیں زیادہ نمایاں تھا۔

ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب میں ادیب اور قاری کے درمیان تعلق نہایت مضبوط، گہرا اور فکری بنیادوں پر استوار تھا۔ یہ تعلق محض لکھنے اور پڑھنے تک محدود نہ تھا بلکہ اس میں تہذیبی وابستگی، علمی احترام، فکری ہم آہنگی اور جذباتی ربط بھی شامل تھا۔ اس زمانے میں ادب کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی شعور، اخلاقی تربیت، سماجی اصلاح اور فکری بیداری کا وسیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ قاری ادب کا باقاعدہ اور سنجیدہ مطالعہ کرتا؛ کتابیں، رسائل اور اخبارات ادب تک رسائی کے بنیادی ذرائع تھے اور قاری انہیں غور و فکر کے ساتھ پڑھتا۔ لوگ ادبی کتابیں خریدتے، کتب خانوں میں گھنٹوں مطالعہ کرتے اور ادبی مباحث میں شریک ہوتے، اور قارئین کسی بھی ادیب یا شاعر کے افکار، اسلوب اور نظریات سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ادیب بھی اپنے قاری کو نہایت اہمیت دیتا؛ وہ اپنی تخلیقات میں محض ذاتی جذبات کا اظہار نہیں کرتا بلکہ معاشرتی مسائل، انسانی احساسات، تہذیبی اقدار اور اجتماعی شعور کو اس انداز میں پیش کرتا کہ قاری خود کو اس ادب سے وابستہ محسوس کرے۔ میر کی شاعری میں انسانی دکھ، غالب کے ہاں فلسفیانہ فکر، اقبال کے کلام میں قومی بیداری اور فیض کے ہاں انقلابی شعور، یہ سب دراصل قاری ہی سے مخاطب تھے۔ بقول جمیل جالبی:

> "لکھنے کا عمل بذات خود دو طرفہ عمل ہے ۔ لکھنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیوں لکھ رہا ہے ؟ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس کے لیے لکھ رہا ہے ؟ اس کے قارئین کون ہیں اور وہ اس کی تحریروں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور کس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں ۔ ادب اور قارئ کے رد عمل سے پیدا ہونے والا تخیل ، فکر اور احساس اس کی تحریر کو ایک نئی وسعت اور گہرائی عطا کرتے ہیں ۔)"۱۳(

قمر صدیقی کے بقول:

> "قاری کی داد و تحسین یا نکتہ چینی ادب کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے ۔ ادیب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تحریر کو لوگ پڑھیں اور اس کی محنت کی داد دیں ۔ قاری کی واہ واہ یا سبحان اللہ ادیب اور ادب کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے ۔ قاری کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے اظہار سے شاعر و ادیب کو تحریک اور تقویت ملتی ہے اور وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں پر از سر نو غور کرتا ہے ۔)"۱۴(

مشاعرے اور ادبی نشستیں بھی اس تعلق کو مضبوط بنانے میں نہایت مؤثر ثابت ہوتی تھیں۔ ان محفلوں میں قاری یا سامع براہِ راست شاعر سے رابطے میں آتا؛ شعر سن کر داد دینا، اصلاح کی بات کرنا، اشعار یاد کرنا اور ان پر گفتگو کرنا اردو تہذیب کا حصہ بن چکا تھا۔ اس براہِ راست تعلق نے ادب کو عوامی زندگی سے جوڑے رکھا۔ اس دور کے قاری میں صبر، توجہ اور گہرے مطالعے کی عادت زیادہ پائی جاتی تھی؛ لوگ ناول، داستانیں، دیوان اور تنقیدی کتابیں پورے انہماک سے پڑھتے، بار بار پڑھتے، ان پر گفتگو کرتے اور انہیں سنبھال کر رکھتے۔ ادب کو عارضی یا فوری تفریح نہیں بلکہ زندگی اور شعور کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ عزیز اندوری رقم طراز ہیں:

> "ادیب کو ہمیشہ احساس ہوگا کہ اس کی تخلیقات کا مطالعہ ایسا قاری بھی کرے گا جس کا ذوق ناپختہ نہیں ۔ جو شعر و ادب کے باریک ترین نکات سے بھی پوری طرح واقف ہے اور جس کی نگاہ اچھے برے کی تمیز

کرنے میں بڑی تیز ہے ۔ اس احساس کی وجہ سے وہ سنبھل سنبھل کر اپنی بات کو پیش کرے گا اس طرح شعر و ادب کے اقدار کے بلند ہونے کی بہتر صورت نکل سکتی ہے ۔)"۱۵(

اس دور میں ادیب کو معاشرے کا فکری رہنما تصور کیا جاتا تھا۔ لوگ ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں سے متاثر ہوتے، ان سے رہنمائی حاصل کرتے اور ان کے خیالات کو وقعت دیتے تھے۔ سر سید احمد خان، علامہ اقبال، مولانا آزاد، پریم چند اور فیض احمد فیض جیسے ادیبوں نے اپنے قاری کے ذہن و فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اگرچہ اس دور میں ذرائع محدود تھے اور ادب کی ترسیل آج کی طرح فوری نہیں تھی، مگر ادیب اور قاری کے تعلق میں خلوص، سنجیدگی اور فکری وابستگی کہیں زیادہ مضبوط تھی، اور یہی رشتہ اردو زبان و ادب کی بقا، ترویج اور ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتا رہا۔

اس تمام تر ادبی زرخیزی کے باوجود ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو زبان و ادب کو فروغ دینے، محفوظ رکھنے اور عام لوگوں تک پہنچانے کے عمل میں بے شمار مسائل اور مشکلات کا سامنا رہا۔ ڈیجیٹل سہولیات کی عدم موجودگی کے باعث ادب کی تخلیق، اشاعت، ترسیل اور تحفظ کا پورا عمل سست، مشکل اور محدود تھا، جس کے باعث اردو ادب کو اپنی بقا اور فروغ کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا پڑی۔ سب سے بڑا مسئلہ ذرائع ابلاغ کی محدودیت تھی۔ ادیب اپنی تخلیقات کو عوام تک پہنچانے کے لیے صرف کتابوں، رسائل، اخبارات، مشاعروں اور ادبی نشستوں پر انحصار کرتے تھے۔ اگر کسی ادیب کی کتاب شائع نہ ہو پاتی تو اس کی تخلیقات محدود حلقوں تک ہی محدود رہ جاتیں، اور دور دراز علاقوں کے قارئین تک نئی ادبی تخلیقات کی رسائی نہایت مشکل ہوتی۔ کوئی کتاب یا رسالہ شائع ہونے کے بعد اسے مختلف شہروں تک پہنچنے میں کئی دن بلکہ بعض اوقات ہفتے لگ جاتے۔

اشاعت اور طباعت کے مسائل بھی اردو ادب کے لیے ایک بڑی رکاوٹ تھے۔ کتابوں کی طباعت مکمل طور پر روایتی مطابع پر منحصر تھی جہاں چھپائی ایک طویل، مہنگا اور محنت طلب عمل ہوتا۔ اکثر ادیب مالی مشکلات کے باعث اپنی کتابیں شائع نہیں کروا سکتے تھے، اور بہت سے شعرا و ادبا کی تخلیقات صرف مخطوطات یا ذاتی ڈائریوں تک محدود رہ جاتیں کیونکہ انہیں اشاعتی سہولتیں میسر نہیں آتی تھیں۔ کاغذ، طباعت اور ترسیل کے اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے، جس کے باعث چھوٹے ادیبوں اور نئے لکھنے والوں کے لیے ادبی دنیا میں جگہ بنانا مشکل ہو جاتا۔ کتب خانوں اور تعلیمی وسائل کی کمی بھی ایک اہم مسئلہ تھی۔ اگرچہ بڑے شہروں میں چند معروف کتب خانے موجود تھے، مگر دیہی علاقوں اور چھوٹے قصبوں میں کتابوں تک رسائی نہایت محدود تھی۔ مناسب تحفظ نہ ہونے کے باعث بے شمار قیمتی ادبی ذخائر بھی ضائع ہو گئے یا وقت کے ساتھ خراب ہو گئے۔ سید محمد مسلم اس بارے میں لکھتے ہیں:

"اردو پڑھنے والی قوم کی معاشی بدحالی کس سے چھپی نہیں ہے اور یہی معاشی بدحالی علمی ذوق کو بھی کم کرتی رہی ہے جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ کتابوں کی فروخت ایک مسئلہ بن گیا ۔)"۱۶(

خواندگی کی کم شرح بھی اردو ادب کے فروغ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ برصغیر میں تعلیم عام نہیں تھی، اور خاص طور پر دیہی علاقوں میں ناخواندگی کی شرح زیادہ تھی، جس کی وجہ سے ادب کا دائرہ محدود طبقے تک ہی رہ جاتا۔ اگرچہ مشاعروں، داستان گوئی اور ریڈیو جیسے ذرائع نے کسی حد تک عوام تک ادب پہنچانے میں مدد دی، مگر ادب کا سنجیدہ مطالعہ پھر بھی زیادہ تر پڑھے لکھے طبقے تک محدود رہا۔ اردو زبان کو سیاسی اور لسانی مسائل کا بھی سامنا رہا۔ برطانوی دور میں زبان کے مسئلے نے اردو اور ہندی کے درمیان تنازعے کو جنم دیا، اور بعض حلقوں میں اردو کو مخصوص طبقے یا مذہبی شناخت سے جوڑ کر دیکھا جانے لگا، جس کے نتیجے میں زبان کے فروغ میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ تقسیم ہند کے بعد بھی اردو کو مختلف علاقوں میں سیاسی اور لسانی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، جس نے اس کے تعلیمی اور ادبی فروغ کو متاثر کیا۔

ادیبوں کے معاشی مسائل بھی نہایت سنگین تھے۔ اس دور میں لکھنے والوں کے لیے ادب کو ذریعہ معاش بنانا تقریباً ناممکن تھا۔ اکثر ادیب مالی مشکلات کا شکار رہتے اور انہیں ملازمتوں، تدریسی کاموں یا صحافت کے ذریعے اپنی زندگی گزارنا پڑتی۔ بہت سے عظیم ادیب اپنی زندگی میں معاشی تنگی، بے قدری اور محرومی کا شکار رہے، اور ان کی تخلیقات کو وہ پذیرائی یا مالی فائدہ حاصل نہیں ہوا جس کے وہ مستحق تھے۔ سید محمد مسلم رقم طراز ہیں:

"آج جب ہم اردو کی کتابیں دیکھتے ہیں تو زیادہ تر ان میں غیر معیاری کتابت ، خراب کاغذ اور گھٹیا طباعت ہی نظر آتی ہے ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ پبلشر کا کہنا ہے کہ کاتب اچھے نہیں ملتے ۔ اچھا کاغذ اس لیے

> استعمال نہیں کیا جاتا کہ کتاب کی قیمت بڑھ جائے گی اور طباعت کسی چھوٹے اور غیر معیاری پریس میں اس لیے گرانی پڑتی ہے کہ اتنی کم داب کا کام بڑے پریس والے لینے کو تیار نہیں ہوتے اور اگر تیار بھی ہوتے ہیں تو ان کے نرخ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ان کو ادا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ سارے اخراجات براہ راست کتاب کی قیمت پر ہی اثر انداز ہوتے ہیں ۔)"۱۷(

تنقید اور فکری اختلافات بھی اردو ادب کے مسائل میں شامل رہے۔ مختلف ادبی تحریکوں اور نظریات کے درمیان اختلافات بعض اوقات شدت اختیار کر لیتے، ترقی پسند تحریک، جدیدیت اور دیگر رجحانات کے حامی ایک دوسرے پر سخت تنقید کرتے جس سے ادبی ماحول میں کشیدگی پیدا ہو جاتی۔ بعض ادیبوں کو ان کے نظریات یا تحریروں کی بنا پر مخالفت، پابندیوں یا سماجی دباؤ کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ خواتین ادیبوں کو بھی متعدد مسائل کا سامنا رہا؛ روایتی معاشرے میں خواتین کے لیے ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینا آسان نہیں تھا اور انہیں معاشرتی پابندیوں، تنقید اور محدود مواقع کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے باوجود عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر اور دیگر خواتین ادیبوں نے اردو ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا، اگرچہ انہیں اپنی شناخت منوانے کے لیے مرد ادیبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ جدوجہد کرنا پڑی۔

ادبی مواد کی ترسیل کی سست رفتاری بھی ایک اہم مسئلہ تھی۔ کوئی نئی ادبی تحریک، کتاب یا نظریہ اگر سامنے آتا تو اسے پورے برصغیر میں پھیلنے میں کافی وقت لگ جاتا، اور قارئین کو نئی کتابوں اور رجحانات کی خبر فوری طور پر نہیں مل پاتی تھی۔ اسی طرح ادیبوں کے مابین رابطے بھی محدود تھے اور خط و کتابت ہی بنیادی ذریعہ تھا جس میں کافی وقت صرف ہوتا۔ سنسرشپ اور سیاسی دباؤ بھی اردو ادب کے مسائل میں شامل رہے؛ بعض ادوار میں حکومتیں یا طاقتور حلقے ادیبوں اور صحافیوں کی تحریروں پر پابندیاں عائد کرتے، اور جو ادیب سیاسی یا سماجی مسائل پر کھل کر لکھتے انہیں مخالفت، نگرانی یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ترقی پسند ادیبوں اور صحافیوں کو کئی مرتبہ ریاستی دباؤ اور سنسرشپ کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادبی آزادی متاثر ہوئی۔ اس کے علاوہ اردو ادب کو قارئین کی محدود تعداد، نئی نسل کی بدلتی ترجیحات، علمی اداروں کی کمی، تحقیق کے محدود وسائل اور ادبی سرپرستی کے فقدان جیسے مسائل کا بھی سامنا رہا۔ بہت سے ادبی ادارے مالی مشکلات کی بنا پر مستقل طور پر کام نہیں کر پاتے تھے اور ادبی رسائل بھی اکثر بند ہو جاتے۔ اردو کتابی صنعت کے غیر منافع بخش ہونے کے باعث بڑے سرمایہ دار اس شعبے سے دور ہی رہے اور یہ کاروبار اکثر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو کسی اور روزگار میں کامیاب نہ ہو سکے تھے؛ اسی وجہ سے پچھلے کئی عشروں میں سب سے زیادہ نقصان مصنف ہی کو اٹھانا پڑا، کیونکہ اچھی کتابوں کے لیے پبلشر آسانی سے میسر نہ آتے اور بسا اوقات مصنف کو بلا معاوضہ اشاعت پر راضی ہونا پڑتا تھا۔

اس تمام تر صورتِ حال کے باوجود اردو ادب نے نہ صرف اپنی بقا قائم رکھی بلکہ فکری، تخلیقی اور تہذیبی سطح پر غیر معمولی ترقی بھی کی۔ اس کی بنیادی وجہ ادیبوں، شاعروں، محققین اور قارئین کی ادب سے گہری وابستگی تھی۔ محدود وسائل، معاشی مشکلات اور ابلاغی رکاوٹوں کے باوجود اردو ادب نے ایسے شاہکار تخلیق کیے جو آج بھی ادبی دنیا میں زندہ اور معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وہ دور تھا جس نے اردو ادب کی مضبوط فکری اور تہذیبی بنیادیں قائم کیں، جن پر بعد میں جدید اور ڈیجیٹل عہد کی ادبی روایت استوار ہوئی۔

اردو ادب اپنے آغاز ہی سے برصغیر کے روایتی معاشرے، تہذیبی اقدار، مذہبی رجحانات، سماجی رویوں اور ثقافتی روایات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ڈیجیٹل دور سے پہلے کا اردو ادب دراصل اسی معاشرے کی اجتماعی فکر، احساسات، اخلاقی تصورات اور تہذیبی شعور کا عکاس تھا۔ اس زمانے میں معاشرہ خاندانی نظام، روایتی اقدار، اخلاقی پابندیوں اور سماجی روابط پر قائم تھا، اسی لیے اردو ادب میں بھی انسان دوستی، احترامِ رشتہ، اخلاقیات، مذہبی وابستگی، تہذیبی شائستگی اور معاشرتی ذمہ داری جیسے عناصر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ادیب اپنے گرد و پیش کے ماحول، معاشرتی رویوں اور انسانی مسائل سے متاثر ہو کر تخلیق کرتا تھا، اسی لیے اس دور کا ادب محض تخیلاتی اظہار نہیں بلکہ اپنے عہد کی حقیقی تصویر بھی تھا۔ روایتی معاشرے میں ادب کو اصلاحِ معاشرہ کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا؛ شعرا اور ادبا اپنے قلم کے ذریعے انسانی جذبات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت، سماجی اصلاح اور فکری بیداری کو بھی فروغ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری اور نثر میں تہذیبی شائستگی، زبان کی پاکیزگی اور فکری سنجیدگی نمایاں نظر آتی ہے۔ مشاعرے، ادبی نشستیں، داستان گوئی، علمی

مجالس اور خط و کتابت جیسی روایات نے ادب کو معاشرے کے ساتھ مضبوطی سے جوڑے رکھا، اور اس دور کا قاری ادب کو محض تفریح نہیں بلکہ علم، شعور اور تہذیبی تربیت کے وسیلے کے طور پر دیکھتا تھا۔

روایتی معاشرے کے اثرات اردو ادب کی تمام اصناف میں نمایاں طور پر موجود ہیں۔ کلاسیکی شاعری میں عشق، تصوف، اخلاقیات اور انسانی جذبات کی ترجمانی ہو یا ناول اور افسانے میں معاشرتی زندگی کی عکاسی، ہر جگہ اس دور کے تہذیبی اور سماجی اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ میر، غالب، اقبال، سر سید، پریم چند، فیض اور دیگر ادیبوں نے اپنے اپنے عہد کے مسائل، فکری رجحانات اور سماجی تبدیلیوں کو ادب کا حصہ بنایا۔ اس طرح اردو ادب نہ صرف زبان و بیان کا فن بنا بلکہ معاشرتی شعور اور تہذیبی شناخت کا اہم ذریعہ بھی ثابت ہوا۔ اگرچہ ڈیجیٹل دور سے پہلے ادب کی ترسیل محدود ذرائع کے ذریعے ہوتی تھی، لیکن اس محدودیت کے باوجود ادب میں فکری گہرائی، تخلیقی پختگی اور تہذیبی وقار موجود تھا۔ ادیب اور قاری کے درمیان ایک مضبوط فکری تعلق پایا جاتا تھا؛ ادب کو سنجیدگی سے پڑھا جاتا، اس پر غور و فکر کیا جاتا اور اسے زندگی کے تجربات سے جوڑ کر دیکھا جاتا۔ یہی مضبوط ادبی روایت بعد میں آنے والے جدید اور ڈیجیٹل عہد کی بنیاد بنی۔

بیسویں صدی کے آخری عشروں میں جب دنیا تیزی سے سائنسی اور تکنیکی ترقی کی طرف بڑھنے لگی تو ابلاغ، تعلیم، اشاعت اور مطالعے کے انداز میں بھی نمایاں تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں۔ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور جدید ذرائعِ ابلاغ کی آمد نے ادب کی دنیا کو ایک بالکل نئے مرحلے میں داخل کیا۔ اگرچہ ڈیجیٹل دور نے ادب کی ترسیل کو آسان، تیز اور وسیع تر بنا دیا، مگر اس جدید تبدیلی کی اساس دراصل وہی روایتی ادبی سرمایہ تھا جو صدیوں کی محنت، علمی روایت اور تہذیبی شعور کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا۔ قدیم کتب، رسائل، مشاعرے، ادبی انجمنیں اور روایتی مطالعے کی روایت ہی وہ بنیادیں تھیں جنہوں نے بعد میں اردو ادب کو ڈیجیٹل دنیا میں منتقل ہونے کے قابل بنایا۔

آج کے محقق کے لیے یہ سوال بھی اہم ہے کہ ڈیجیٹل دور سے پہلے کے اس ادبی سرمائے کو کس طرح محفوظ اور قابلِ رسائی بنایا جائے۔ بہت سے نادر مخطوطات، پرانے رسائل اور نایاب کتابیں اب بھی نجی کتب خانوں یا آرکائیوز میں ایسی حالت میں پڑی ہیں کہ ان کے ضائع ہونے کا خطرہ موجود ہے۔ رخت پوش صفحات، بوسیدہ جلدیں اور کمزور پڑتا کاغذ اس بات کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ روایتی دور کا ادبی ورثہ ابھی بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں ہوا۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، جو خود اسی روایتی سرمائے کی مرہونِ منت ہے، اب اس فرض کی ادائیگی کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی ہے کہ ماضی کے اس قیمتی خزانے کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا جائے۔ یوں یہ تحقیق نہ صرف ماضی کو سمجھنے بلکہ مستقبل کے تحفظِ ادب کے لائحہ عمل کے لیے بھی راہ متعین کرتی ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ڈیجیٹل دور سے پہلے اردو ادب نے نہ صرف اپنی تہذیبی، فکری اور ادبی شناخت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا بلکہ آنے والے جدید دور کے لیے بھی راستہ ہموار کیا۔ محدود وسائل، معاشی مشکلات، سست ابلاغ، سنسرشپ اور سیاسی رکاوٹوں کے باوجود اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے ایسی تخلیقات پیش کیں جنہوں نے اردو زبان کو عالمی ادب کی صف میں جگہ دلائی۔ قلمی روایت سے لے کر طباعت کے انقلاب تک، مشاعروں اور داستان گوئی سے لے کر رسائل و جرائد اور ریڈیو تک، اور ادیب و قاری کے گہرے رشتے سے لے کر مختلف اصناف کی بھرپور نشوونما تک، ہر پہلو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ دور اردو ادب کی تاریخ کا ایک نہایت زرخیز اور فیصلہ کن باب تھا۔ اردو ادب کا یہ روایتی سرمایہ آج بھی اپنی علمی اہمیت، فکری گہرائی اور تہذیبی وقار کے باعث زندہ اور مؤثر ہے، اور یہی ادبی روایت بعد کے ڈیجیٹل عہد میں اردو زبان و ادب کے فروغ، بقا اور عالمی سطح پر ترویج کی بنیاد بنی۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ،) دہلی: آفیسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۳ء (، ص ۵۰

۲۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، دلی کا دبستان شاعری،) کراچی: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۴۹ء (، ص۹۴

۳۔ انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ،) دہلی: عالمی میڈیا پرائیویٹ لمیٹیڈ، ۲۰۱۴ء(، ص۳۳۹

۴۔ مولانا شبیر احمد خاں غوری ، علم خط شناسی ، مشمولہ ، فن خطاطی وم خطوطہ شناسی ،مرتبہ ، ڈاکٹر فضل الحق،)دہلی : شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی ،۱۹۸۲ء(،ص۲۸

۵۔ انجم رحمانی ، مخطوطات) اہمیت ،حصول ، تحفظ (، مشمولہ ، فکر و نظم : مخطوطات ، شمارہ نمبر ۲،) اسلام آباد :تحقیقات اسلامی پریس ، ۱۹۹۸ء (، ص۳۳

٦۔ سید محمد مسلم ، اردو طباعت و اشاعت ۔ایک جائزہ ، مشمولہ ، اردو طباعت و اشاعت کے مسائل ،) نئ دہلی : نیشنل بک ٹرسٹ ، ۱۹۷۸ء (، ص٦۴

۷۔ جان نثار مومن ، اردو غزل کا تحقیقی جائزہ ، مشمولہ ، اردو ریسرچ جرنل ، ۱۵ مارچ ۲۰۱۷ء

۸۔ ایضاً

۹۔ عبدالرحمٰن ، مرثیے کی روایت اور انیس کی مرثیہ نگاری ، مشمولہ ، اردو ریسرچ جرنل ، ۲ اپریل ۲۰۲۰ء

۱۰۔ شاہد اقبال ، منٹو کے ابتدائی دور کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ ، مشمولہ ، اردو ریسرچ جرنل ، جنوری ۲۰۱۸ء

۱۱۔ محمد سیف اللہ خان ، ذرائع ابلاغ کا اردو زبان کی ترقی میں کردار ، مشمولہ ، اردو ریسرچ جرنل ، ۲ اپریل ۲۰۲۰ء

۱۲۔ کنور محمد دلشاد ، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے ،) اسلام آباد : مقتدرہ قومی زبان ، ۱۹۹۹ء(،ص۲۴٦

۱۳۔ جمیل جالبی ، ادب کلچر اور مسائل ،) علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس ، ۱۹۸۸ء (، ص۳۱

۱۴۔ قمر صدیقی ، ادب کی تخلیق میں قارئین کا حصہ ، مشمولہ ، ادب اور قاری ،) دہلی : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ، ۲۰۱۳ء(،ص۳۴

۱۵۔ عزیز اندوری ، تنقیدی تحریریں ،) اندور : ۱۹۸۲ء(،ص ۱۹۹

۱٦۔ سید محمد مسلم ، اردو طباعت و اشاعت : ایک جائزہ ، مشمولہ ، اردو طباعت و اشاعت کے مسائل ، مرتبہ انور کمال حسینی، ص٦۹

۱۷۔ ایضاً، ص٦۸